کیا علماء انگریزی کے مخالف تھے؟

جناب رفیع احمد صاحب لبستوی۔ مرکزی دارالعلوم بنارس

تاریخ کے ہر دور میں مسلمان علماء اور امرائنے علوم وفنون کی سرپرستی کی ہے۔ زبان ولغت کے سلسلہ میں انکا رویہ ہمیشہ رواداری کا رہا ہے۔ اجنبی زبانوں کے سیکھنے میں مسلمانوں نے بہت کم بخل سے کام لیا ہے اعتدال اور سلامت روی کی یہ روش اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کا نتیجہ ہے۔

قرآن کریم نے زبان ولغت اور رنگ ونسل کے تنوع کو اللہ کی قدرت کا عظیم مظہر قرار دیا ہے ارشاد ہے "ومن اٰیٰتِہٖ خلق السمٰوٰت والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذٰلک لاٰیٰت للعٰلمین" (الروم ۲۲) گویا اسلام نے تعصب اور تنگ نظری سے بالاتر ہوکر ایک آفاقی نظریہ اپنایا ہے، اور اجنبی علوم وفنون کے لئے اپنا دروازہ بالکل کھلا رکھا ہے، اس طرح اس نے اپنے متبعین کو دوسری زبانیں حاصل کرنے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ بالکل کھل کر حوصلہ افزائی کی ہے۔

حدیث کی اکثر مستند کتابوں میں زید بن ثابت کی ایک روایت موجود ہے اس کے الفاظ باختلاف روایات کچھ اس طرح ہیں: "امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتعلّم لہ من کتاب یہود وقال انی واللہ ما آمن یہود علی کتابی قال فامربی نصف شہر حتی تعلمتہ لہ قال فلما تعلمتہ کان اذا کتب الی یہود کتبت الیہم واذا کتبوا الیہ قرأت لہ کتابہم"[۱]

---

[۱] ترمذی الجامع: باب السریانیہ ۹۶/۲ (مطبوعہ رشیدیہ دہلی) بخاری: الجامع الصحیح (حاشیہ) ...

مطلب یہ ہے کہ زید بن ثابت نے اللہ کے رسول کے حکم سے عبرانی سیکھی، لیکن بعض روایات میں سریانی زبان سیکھنے کا ذکر بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عبرانی اور سریانی دونوں زبانیں سیکھی تھیں، چنانچہ حافظ ابن حجر؂ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں "یحتمل ان زید تعلم اللسانین لاحتیاج إلی ذلک"؂ یعنی اس کا احتمال موجود ہے کہ زید بن ثابت نے دونوں زبانیں سیکھی ہوں، کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں کی ضرورت تھی۔

ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے اس حدیث کے ذیل میں بڑی وضاحت کے ساتھ زبانوں کے سلسلہ میں اسلام کے موقف کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "لا یعرف فی الشرع تحریم علم لغة من اللغات سریانیة او عبرانیة او ترکیة او فارسیة نعم یعد من اللغو و مالا یعنی و هو مذموم عند ارباب الکمال الا اذا ترتب علیه فائدة فحینئذ یستحب کما یستفاد من الحدیث"؂ یعنی شریعت کے نزدیک کسی زبان کا پڑھنا معیوب نہیں البتہ خواہ مخواہ کا شغل ارباب کمال کو ناپسند ہے ہاں اگر اس میں کوئی فائدہ ہو تو سیکھنا مستحب ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

انگریزی زبان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ علماء اس زبان سے کد رکھیں اور نفرت کریں، مگر کم و بیش پچاس ساٹھ سال سے یہ سمجھا اور سمجھایا جارہا ہے کہ علماء عموماً انگریزی زبان کے سخت مخالف تھے، اور انھوں نے اس کی تعلیم کو حرام قرار دیا تھا۔

آئیے اس سلسلہ میں علماء کے فتاویٰ اور طرز عمل کو دیکھیں، کیا واقعی معاملہ کی صورت یہی ہے یا حقیقت کچھ اور ہے، مگر پہلے یہ بات طے کرلی جائے کہ سرسید اور علماء کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) باب ترجمة الحکام وهل یجوز ترجمان واحد ۲/۱۰۶۷ (مطبوعہ رشیدیہ دہلی)، ابوداؤد السنن باب روایة اهل الکتاب ۲/۱۹۵ (مطبوعہ رحیمیہ دیوبند)۔

؂ ابن حجر عسقلانی فتح الباری ۱۳/۱۸۶ (مطبعہ سلفیہ قاہرہ) ؂ ملا علی قاری بحوالہ تحفة الاحوذی ۴/۹۹۷ (مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ)

تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ کیونکہ سلسلہ بحث کو آگے بڑھانے کے لئے یہ ایک لازمی بات ہے۔

سرسید اور علماء انگریزی تعلیم کے سب سے بڑے داعی سرسید تھے مگر علماء اور سرسید کے تعلقات ہمیشہ کشیدہ ہی رہے۔ سرسید اور علماء ایک طویل مدت تک برسر پیکار رہے علماء کی طرف سے ان پر کفر کے فتوے لگائے گئے یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ ایک اہم سوال ہے عام طور سے مشہور ہے کہ یہ کفر کے فتوے اس جرم میں لگے کہ سرسید انگریزی تعلیم کے داعی تھے، اگر یہ دعوی یا اس کے برعکس کوئی چیز ثابت ہوجائے تو معاملہ خود بخود صاف ہوجائے گا۔

کشمکش کی تدریجی کیفیت مسلمانوں میں سرسید کی طرف سے بدگمانی کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی؟ اور اس میں تیزی کس طرح پیدا ہوئی؟ اس کی اجمالی کیفیت مولانا حالی (متوفی ۱۹۱۴ء) کے بیان کے مطابق اس طرح ہے لکھتے ہیں اگرچہ ان کے مذہبی خیالات کی نسبت اس وقت بدگمانی شروع ہوگئی تھی جب کہ انھوں نے انگریزوں کے ساتھ کھانے پینے سے پرہیز ترک کردیا تھا مگر جب تبیین الکلام کی پہلی جلد شائع کی تو اس بدگمانی کو زیادہ ترقی ہوئی اس وقت سید مہدی علی خاں "محسن الملک" (متوفی ۱۹۰۷ء) نے ایک سخت خط لکھا جب علیگڑھ سوسائٹی نے باقاعدہ کام شروع کیا اور سب سے پہلے الفنسٹن کی ہسٹری آف انڈیا کا ترجمہ انگریزی سے ہندی میں ہونے لگا تو اس کا ترجمہ بے کم و کاست ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیغمبر باطل لکھ دیا گیا مولوی سمیع اللہ صاحب نے اس پر سخت اعتراض کیا اور اس سے اپنی ایک تحریر میں سرسید کے کفر و ارتداد پر استدلال کیا اس کے بعد اکثر بزرگ مسلمانوں نے سوسائٹی سے استعفاء دیدیا۔ لندن جانے سے پہلے جب رسالہ طعام اہل الکتاب شائع کیا تو انہیں عموماً کرسٹان کا خطاب دیا گیا لندن گئے تو گردن مروڑی ہوئی مرغی کی حلت کی تحریر شائع کرائی اس کو سرسید کے کافر ہونے کا بڑا سبب قرار دیا گیا اس کے

بعدھیوں ہی سر سید نے تہذیب الاخلاق شائع کیا مخالفت کی گھٹا امنڈ کر چاروں طرف سے اٹھی۔[۱]

یہ پوری داستان ہر پہلو سے مکمل ہے مگر اس میں کہیں بھی اس کا تذکرہ نہیں کہ انگریزی تعلیم کی ترویج پر کفر کا فتوی لگا تھا مولانا حالی تو ایک اور قدم آگے بڑھا کر کہتے ہیں کہ "اگر سرسید یہ پرچہ تہذیب الاخلاق نہ جاری کرتے اور مسلمانوں کے خیالات کی اصلاح چھوڑ دیتے بلکہ صرف ان کی تعلیم کا انتظام کرتے تو ظاہراً ان کی مخالفت کم ہوتی بلکہ شاید نہ ہوتی"[۲] گویا حالی کے نزدیک مخالفت کا اصل سبب سر سید کے مخصوص نظریات تھے اور اس مخالفت میں انگریزی تعلیم سے متعلق ان کی کوششوں کا کچھ بھی دخل نہ تھا۔ یہ خیال تنہا مولانا حالی کا نہیں بلکہ واقعات پر جو بھی غیر جانبداری سے غور کرے گا اس نتیجے پر پہونچے گا جناب شیخ محمد اکرام صاحب آئی، سی، ایس (م ۱۹۷۳) نے مولانا حالی سے بھی واضح تجزیہ کیا ہے لکھتے ہیں "سب سے بڑی غلط فہمی جو اس (سرسید کی مخالفت کے) بارے میں بہت عام ہے وہ یہ ہے کہ علماء نے سرسید کی مخالفت اس وجہ سے کی کہ وہ انگریزی تعلیم رائج کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے سرسید کے مخالفت اور موافق تحریروں کا مطالعہ کیا ہے ہماری رائے میں یہ خیال غلط ہے اور علماء اسلام کے ساتھ صریح بے انصافی ہے"[۳] ایک اور جگہ لکھتے ہیں "سرسید انگریزی تعلیم کی ترویج سے نہیں بلکہ اپنے معاشرتی اور مذہبی عقائد کی وجہ سے نیچری اور کرستان کہلاتے تھے"[۴]۔

اسی طرح ڈاکٹر سید عبداللہ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سرسید انگریزی تعلیم کو پھیلانا چاہتے تھے اور علماء انگریزی تعلیم کو مذہباً ناجائز سمجھتے تھے مگر یہ رائے منصفانہ نہیں انصاف یہ ہے کہ اس معاملے میں علماء کو

۱؎ حالی، حیات جاوید ۲/۲۳۹ تا ۲۴۵ (مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۳۹ء) ۲؎ ایضاً ۱/۲۴۶ ۳؎ شیخ محمد اکرام، موج کوثر /۵۶ (لاہور [illegible]) ۴؎ ایضاً /۶۳۔

اختلاف سرسید کے مذہبی عقائد سے یا پھر انگریزی تمدن سے تھا ان کو انگریزی تعلیم سے اختلاف نہ تھا لیکن چونکہ سرسید انگریزی پھیلانے والے تھے اس لئے معاملہ الجھ کر رہ گیا اور بہت سے مغالطے پیدا ہو گئے" [1]

اکرام اللہ خاں مؤلف وقار حیات لکھتے ہیں " سرسید کے زمانہ میں ان کی مذہبی آزادی کی وجہ سے مذہبی گروہ کالج سے بیزار تھا اس لئے سرسید کا تمام زمانہ مخالفت اور کشمکش میں گزرا" [2]

مولانا امداد صابری صاحب لکھتے ہیں: "جو شخص بھی تہذیب الاخلاق اور اس کے مخالف اخبارات کا مطالعہ کرے گا تو اسی نتیجہ پر پہونچے گا کہ دونوں طبقے مسلمانوں کی تعلیم کے مخالف نہیں تھے طریقہ تعلیم اور بعض دینی مسئلے اختلاف کے موجود تھے" تاریخ صحافت اردو ۲/ ۲۴۳)

مقصود یہ نہیں کہ اس طرح کی شہادتیں جمع کی جائیں کہنا صرف یہی ہے کہ جس نے بھی اس معاملے کا تجزیہ کیا ہے اسی نتیجے پر پہونچا ہے کہ مخالفت کا منبع سرسید کے مذہبی افکار و خیالات تھے اس میں انگریزی تعلیم کی ترویج کا بالکل دخل نہیں، یہی وجہ ہے کہ جن علماء کو خاص طور سے مطعون کیا جاتا ہے کہ وہ ان کی مخالفت میں پیش پیش رہے ان کے خیالات دوسرے علماء کرام سے مختلف نہیں بلکہ تمام ہی علماء سرسید کے بارے میں ایک سی رائے رکھتے ہیں نمونۃً ہم مشہور محدث مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ) کی ایک تحریر: "عون المعبود شرح ابو داؤد" سے نقل کرتے ہیں" وصنف رئیس النیچریۃ وامامھم تفسیرا للقرآن الکریم بلغۃ الھند فحشاہ برأیہ الفاسد وصرف فی معانی القرآن وجاء بالطامۃ الکبری واکثر معظم عقائد الاسلام وصنف لاثبات ھذہ المقالات رسائل کثیرۃ فضل واضل یعنی نیچریوں کے سردار نے اردو میں قرآن کی ایک تفسیر لکھی ہے جس میں اپنی فاسد

---

[1] سید عبد اللہ: سرسید اور ان کے نامور رفقاء / ۴۰ [2] اکرام اللہ خاں: وقار حیات ۲/ ۵۵۲ (علی گڑھ ۱۹۲۵ء) [3] شمس الحق عظیم آبادی محمد شاہ عون المعبود ۴/ ۳۵۶ (دار الکتب بیروت) ہم نے قصداً مولانا کے بیان کا وہ حصہ نظر انداز کر دیا ہے جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کو تابع اور سرسید کو متبوع قرار دیا گیا ہے۔

مانئے سے قرآن کی تفسیر اور اس کے معانی میں تصرف کیا ہے اور ایک بہت بڑی مصیبت کھڑی کردی ہے اس شخص نے اسلام کے اکثر عقائد کا انکار کردیا ہے اور ان باتوں کے اثبات میں متعدد رسائل تحریر کئے ہیں اس طرح وہ خود گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا

گویا اصل اختلاف تو سرسید کے افکار و خیالات سے تھا مدرسۃ العلوم کی مخالفت ضمنی چیز تھی کوئی بھی عالم اصولی طور پر اس تجویز کا مخالف نہیں تھا اس کی تصدیق ان فتووں سے ہوتی ہے جو مدرسۃ العلوم کے بارے میں شائع ہوئے ہیں۔ ان فتاوی سے متعلق سوالات میں یہ چیز قدر مشترک ہے کہ جس شخص کے عقائد اس طرح ہوں (مثلاً ملائکہ کا وجود نہیں گردن مروڑی مرغی حلال ہے) وہ اگر کوئی مدرسہ ان خیالات کی ترویج کے لئے اس اعلان کے ساتھ جاری کرے کہ دیوبند سہارنپور، کانپور وغیرہ کے مدارس بے فائدہ ہیں تو کیا ایسے مدرسہ میں مدد کی جاسکتی ہے؟[1]

ظاہر ہے کہ ایک مفتی کی حیثیت جج کی نہیں ہوتی کہ وہ پیش آمدہ سوالات کے حقایق کی تہیں ٹٹولتا پھرے بلکہ اس کے سامنے جو سوال پیش کیا جاتا ہے وہ اسی کو حقیقت فرض کرکے اس کا جواب دیتا ہے چنانچہ اس استفتاء کے جواب میں ملت کے مستند علماء نے جو فتاوی دیئے وہ اسی سوال کے گرد گھومتے ہیں۔

مثلاً مولانا عبدالحئی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں۔

"جس شخص کے اعتقادات اس طرح ہیں جو کہ سوال میں مسطور ہوئے ہیں وہ شخص مخرب دین، ابلیس لعین کے وسوسہ سے صورت اسلام میں تخریب دین محمدی کی فکر میں ہے جو چیزیں اس کے نزدیک موجب تہذیب ہیں اہل سنت کے نزدیک باعث تخریب ہیں[2]

---

[1] امداد العلی اکبر آبادی: امداد الآفاق/۱۱۳ (کانپور ۱۲۹۰ھ) مولانا حالی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ منشی امو جان کے مکان پر دہلی میں ایک عربی مدرسہ قائم کیا گیا تو سرسید نے اس پر اپنے سخت رنج وغم کا اظہار کیا حیات جاوید ۲/۰۰م

[2] امداد الآفاق: /۶۰

اسی طرح کے فتاوی مولانا نذیر حسن محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) مولانا منصور علی مرادآبادی مولانا محمد احسن نانوتوی (م ۱۳۱۲ھ) مولانا ذوالفقار علی نقوی مالوی (م ۱۳۴۰ھ) وغیرہ کے بھی ہیں۔[۱]

صاف نظر آتا ہے کہ یہ سارے فتاوی سرسید کے افکار وخیالات کے خلاف ہیں ان فتاوی کا اطلاق کسی طرح بھی ایسے کالج پر نہیں ہو سکتا۔ جو اس مقصد سے قائم نہ کیا گیا ہو جس کا ذکر فتاوی میں بطور خاص کیا گیا شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں۔

"علی گڑھ کالج کے متعلق سخت سے سخت مضامین درشت سے درشت فتاوی ہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ انگریزی پڑھنا کفر ہے بلکہ یہی ہوتا ہے کہ جس شخص کے عقائد سرسید جیسے ہوں وہ مسلمان نہیں اور جو مدرسہ ایسا شخص قائم کرتا ہے اس کی اعانت جائز نہیں[۲]

یہی وجہ ہے کہ سرسید کی علیحدگی کی شرط کے ساتھ، مولانا قاسم صاحب نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) جیسے بزرگ بھی تعاون پر آمادہ تھے حتی کہ ان کے بدنام ترین مخالف مولوی امداد العلی اکبرآبادی نے کہا کہ آپ اگر اپنے خیالات سے رجوع کرلیں تو ہم تعاون کرینگے[۳] حد تو یہ ہے کہ مولوی علی بخش (جنھوں نے علماء حرمین سے فتوی حاصل کیا تھا) بھی اس شرط کے ساتھ کہ "سرسید کمیٹی" خزینۃ البضاعۃ سے الگ ہو جائیں اور مذہبی صیغہ کی نگرانی ایک الگ بورڈ کے سپرد کر دیں، تو بھر پور تعاون کے لئے تیار تھے اور یکمشت آٹھ سو روپئے کی گرانقدر امداد کا بھی اعلان کر دیا تھا[۴]

---

[۱] امداد الآفاق۔ [۲] شیخ محمد اکرام: موج کوثر/۸۱ [۳] محمد طفیل بنگلوری: روشن مستقبل/۲۱۶ علیگڑھ لیکن سرسید نے لکھا ہے کہ مولنا کا عذر یہ ہے کہ اس مدرسہ میں شیعہ بھی شریک ہیں اس لئے ہم شرکت سے معذور ہیں، تہذیب الاخلاق بحوالہ حیات جاوید ۲/۲۶۲۔ [۴] حیات جاوید ۲/۲۶۲ ر ۸

[۵] ایضاً

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ۱۸۶۰ء میں جب کہ سرسید غازی پور میں تھے ایک مدرسہ انگریزی تعلیم کے لئے قائم کیا تو یہاں کے مسلمانوں نے کوئی مخالفت نہیں کی[1] اسی زمانہ میں مولانا رحمت اللہ فرنگی محلی اور دوسرے علماء غازی پور آپ کے اشتراک سے ایک اور ایسی درسگاہ بنانا چاہتے تھے جس میں انگریزی تعلیم کا بھی خاطر خواہ انتظام ہو سکے۔

ذکر تھا سرسید اور علماء کی باہمی کش مکش کا اور اس کے اسباب کا لیکن بات ذرا طویل ہوگئی گذشتہ سطور میں ہم نے جو مواد فراہم کیا ہے اس سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ علماء اور سرسید میں اختلاف کا سبب انگریزی تعلیم کو کسی بھی درجہ میں نہیں قرار دیا جا سکتا

سرسید سے پہلے

اب ہم چاہتے ہیں کہ انگریزی تعلیم کے متعلق سرسید کے معاصرین کے فتاوی اور انکا طرز عمل ذکر کریں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان علماء کا ذکر کردیں جنھوں نے سرسید کی تعلیمی کوششوں سے پہلے ہی اس وادی میں قدم رکھا تھا یا اس کے جواز کا فتوی دیا تھا، مولانا آزاد (م ۱۹۵۸ء) نے بالکل صحیح فرمایا ہے "سرسید سے بہت پہلے مسلمان علماء میں انگریزی زبان اور نئے علوم کی ترویج کے کتنے ہی حامی اور دعاۃ گذر چکے ہیں"[2]

(۱) شاہ عبدالعزیزؒ (م ۱۲۳۹ھ)۔ دہلی میں جب انگریزی تعلیم کا انتظام ہوا تو مسلمانوں نے کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے کے متعلق فتوی طلب کیا تو آپ نے واضح لفظوں میں اسے جائز قرار دیا چنانچہ سرسید لکھتے ہیں " شاہ عبدالعزیز جو تمام ہندوستان میں نامی مولوی تھے، مسلمانوں نے ان سے فتوی پوچھا، انھوں نے

---

[1] حیات جاوید ۲/۲۶ بحوالہ چشمہ رحمت تاریخ کے آئینہ میں
[2] عبدالرزاق ملیح آبادی: آزاد کی کہانی / ۳۷۰ (دہلی ۱۹۶۵ء)

جواب دیا کہ کالج انگریزی میں جانا اور پڑھنا اور انگریزی زبان کا سیکھنا بموجب مذہب کے درست ہے[1] مگر اہل دہلی کا کوئی استفتاء آپ کے فتاوی کے مجموعہ میں نہیں ہے ممکن ہے یہ سب کچھ زبانی رہا ہو۔ البتہ اسی موضوع پر شاہ بخاری کے نام آپ کا ایک دوسرا مدلل فتوی عزیزیہ موجود ہے سوال ہے کہ " ہفتم آن کہ در تحصیل علم انگریزی مثلاً شخصے اشتغال آں دارد بہ جواز نہ عدم آنچہ حکم آست "

جواب میں شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

" تعلیم انگریزی یعنی خط وکتابت ولغت واصطلاح انہارا دانستن، باکے ندارد اگر بنیت مباح باشد، زیرا کہ در حدیث وارد است کہ زید بن ثابت رضا بحکم صلعم روش خط وکتابت یہود ونصاری ولغت آنہارا آموختہ بود برائے ابن عرض کہ اگر برائے آنحضرت صلعم خطے بالغت ورسم خط برسد جواب آن تو اید نوشت اگر بجہ دخوش آمد آنہا واختلاط باآنہا تعلیم این لغت نماید وہایں وسیلہ پیش آنہا تقرب جوید پس البتہ حرمت وکراہت دارد "[2]

انگریزی زبان کے متعلق شاہ عبد العزیز رح کے اس طرح کے فتوی کی اچھی طرح چلبنی کی گئی تھی۔ ہنٹر نے بھی اس فتوی کا ذکر کیا ہے[3]

شاہ عبد العزیز کا یہ صاف وصریح فتوی سرسید کی تعلیمی جدوجہد سے کم وبیش چالیس پچاس سال پہلے کا ہے۔

(۲) مولانا عبد الرحیم دہری شاہ عبد العزیز (م ۱۲۳۹ھ) سے نسبت تلمذ رکھتے تھے۔

---

[1] سرسید احمد خاں اسباب بغاوت ہند ۔/ ۲۸ ضمیمہ حیات جاوید [2] شاہ عبد العزیز فتاوی عزیزیہ ۱۹۱ ۱۹۵ (دہلی ۱۳۱۱ھ) [3] ولیم ہنٹر ہمارے ہندوستانی مسلمان ۲۶۲ـ۲۶۳/ (اردو) شائع کردہ اقبال اکیڈمی لاہور۔

اور شاہ اسمعیل شہید (م ۱۲۴۶) کے ہم درس تھے سرسید سے آپ نے بہت پہلے علوم جدیدہ اور ان کی ترویج و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔

مولانا آزاد کا بیان ہے

"غدر سے پہلے...... دنیا کا علمی انقلاب محسوس کیا اور نئے علوم سے آشنا ہوئے نیز یورپ کی زبانیں سیکھیں اور اس حد تک کامیابی حاصل کی جو آج باوجود نئی تعلیم کے عموم اور رواج کے کمیاب ہے" [۲]

مزید لکھتے ہیں۔

"مسلمان علماء میں انگریزی زبان اور نئے علوم کی ترویج کے کتنے ہی دعاۃ گذر چکے ہیں مولوی عبد الرحیم ان سب میں مقدم ہیں ان کا زمانہ تو لارڈ میکالے کا زمانہ ہوگا مجھے ایک رسالہ مولوی عبد الرحیم کا فارسی میں ملا "عرض داشت در باب ترویج زبان انگریزی و علوم فرنگ" اس میں انھوں نے انگریزی زبان اور نئے علوم کی تحصیل و ترویج کے موضوع پر

---

[۱] مولانا عبد الرحیم دھری کے بارے میں مولانا جعفر تھانیسری (۱۹۰۵) لکھتے ہیں مشہور دھریہ تھے انھوں نے خدا کا انکار کر دیا تھا۔ سورج کی تعظیم کرتے تھے وغیرہ وغیرہ سوانح احمدی/۵۸-۵۳، مولینا عبد الحی حسنی لکھتے ہیں کان یری بالزندقہ، نزھۃ الخواطر ۷/۲۵۹، لیکن ان کی خود نوشت

سوانح حیات سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑے فلسفی تھے تاہم مذہب سے اک گونہ تعلق باقی تھا جامعہ (اپریل ۱۹۷۵ء) مولینا آزاد نے ان کے دھریہ ہونے کے بارے میں سخت تردد کا اظہار کیا ہے کہتے ہیں کہ بجز جستجو کی بجز شہرت عام کے کوئی ثبوت ان کی دھریت کا نہیں ملا عجب نہیں کہ عقلیات کے اشتغال و انہماک کی وجہ سے دھریہ مشہور ہو گئے ہوں (آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی ۳۴۷-۳۴۸) مولانا مہر کا خیال ہے کہ فلسفہ میں توغل کے باعث دھریہ مشہور ہو گئے (سید احمد شہید ۱/۲۱۷) اور حقیقت بھی یہی ہے مولانا تھانیسری نے جو کچھ لکھا ہے حد درجہ مبالغہ آمیز اور ناقابل یقین ہے خصوصاً مولانا اسماعیل شہید سے مناظرہ کرنے سے فرار وغیرہ واللہ اعلم بالصواب، [۲] آزاد کی کہانی ۳۴۴

جامع بحث کی ہے [1]

مولانا عبد الرحیم دھری اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں۔

"انتہائی محنت سے بغیر معلم کے سہارے صرف ترجمہ فارسی و انگریزی گفتگو کی مدد سے کتنی کتابیں پڑھ ڈالیں۔ ریاضی اور علم ہیئت کی جدید کتابیں بھی پڑھیں۔ اس زمانے میں فیثاغورث کے نظریہ کے مطابق اجرام سماوی کے متعلق جو میری معلومات پہلے سے تھیں اور بھی پختہ ہوگئیں پھر تو روز بروز میرا شوق بڑھتا گیا اور انگریزی مصنفوں کی بہت سی کتابیں پڑھ ڈالیں اور اسی بنا پر ان کی تعریف کرتا ہوں اور سراہتا ہوں" [2]

مزید لکھتے ہیں۔

"اس وقت ۱۲۳۵ھ کی ابتدا ہے میں انگریزی کتابوں کے پڑھانے میں شب و روز مشغول رہتا ہوں میرا دل اس سے اس قدر مانوس ہوگیا ہے کہ اب دوسرے علوم کی طرف توجہ نہیں ہوتی" [3]

(۳) جناب قادر مرتضی صاحب (م ۱۸۶۶ء) مدراس کے مشہور امرا میں آپ کا شمار ہوتا ہے آپ مولوی صفی الدین محمد ناصر کے اکلوتے صاحبزادے تھے انگریزی زبان کے متعلق ان کا کیا نظریہ تھا اس کی تفصیل مولانا محمد یوسف صاحب کوکن عمری کی زبانی سنئے لکھتے ہیں:

"مدراس بلکہ ہندوستان بھر کے علماء وفضلاء اور امراء میں (جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے) آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے انگریزی تعلیم کی حمایت اور سرپرستی کی، انھوں نے اس زمانے میں اس کی حمایت کی، جبکہ سرسید احمد خاں ابھی تک اس میدان میں گامزن نہیں ہوئے تھے انھوں نے خود اپنی اولاد کو صاف الفاظ میں یہ نصیحت کی کہ انگریزی تعلیم کی مخالفت بے سود ہے" [4]

---

[1] آزاد کی کہانی ۳۶۰-۳۶۸ [2] جامعہ (اپریل ۱۹۶۵ء) [3] ایضاً [4] محمد یوسف کوکن عمری خانوادہ قاضی بدر الدولہ، ص ۳۲-۵۳۳

(۴) مولوی سعید الدین نبراسئے بریلوی (م ۱۲۹۳ھ) سرسید سے بہت پہلے آپ نے انگریزی تعلیم حاصل کی تھی مولانا عبدالحیٔ لکھتے ہیں۔

احد الرجال المعروفین بالفضل والصلاح سافر الیٰ دھلی ثم رجع الیٰ کلکتہ وتعلم الانکلیزیۃ ثم اعتزل واقام ببلدتہ سنۃ اربع وسبعین بلہ

مولانا علی میاں ندوی لکھتے ہیں۔

"کلکتہ کے قیام میں ایک انگریز سے انگریزی پڑھی اور وکالت کا امتحان دیا اور مظفر پور میں وکیل سرکار مقرر ہوئے، دیانت تقویٰ اور نیک نامی کے ساتھ وکالت کی ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد خانہ نشین ہو گئے"۔ ؎۲

(۵) مولانا عبدالہادی جھوکوی (م ۱۲۶۵ھ) خلیفہ سید احمد ہرائے بریلوی۔ درسیات کی تکمیل مولانا اسماعیل اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی (م ۱۲۶۹ھ) اور شاہ اسحاق (م ۱۲۶۲ھ) سے کی تھی، انگریزی کے عمدہ عالم تھے ؎۳

(۶) مولوی سید امیر احمد (م ۱۸۸۳ء) مولانا عبدالباقی سہوانی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں "تکمیل کے بعد حج بیت اللہ کیا پھر قانون وکالت درجہ اول کا امتحان پاس کیا اور انگریزی زبان میں اعلیٰ قابلیت حاصل کی یہ سب کچھ سرسید کی تحریک سے پہلے کی بات ہے ؎۴

(۷) مولانا محمد احسن نانوتوی (م ۱۸۹۵ء) موصوف کی پیدائش ۱۸۲۵ء میں ہوئی تعلیم سے فارغ ہو گئے نو ۱۸۴۵ء میں آپ نے ملازمت اختیار کر لی اس سے قبل آپ نے انگریزی سیکھ لی تھی۔

پروفیسر ایوب قادری صاحب لکھتے ہیں کہ

؎۱ عبدالحیٔ حسنی نزھۃ الخواطر ۷/۲۰۶ ؎۲ ابوالحسن علی میاں سیرت سید احمد شہید ۱/۴۴۰ لکھنو ۱۹۴۱ء
؎۳ نزھۃ الخواطر ۷/۳۱۶ ؎۴ عبدالباقی سہوانی حیات العلماء لکھنو ۱۹۲۷ء

"مولانا محمد احسن نانوتوی نے دہلی کالج میں انگریزی بھی پڑھی تھی"
خود مولانا محمد احسن کے ہاتھ کی بعض انگریزی تحریریں ہیں مولانا محمد احسن نے سر سید احمد کی فرمائش پر گاڈفری ہگنس کی کتاب کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔[1]
آپ نے اپنے ربیب مولانا عبدالاحد (م ۱۸۲۴ء) (مالک مطبع مجتبائی) کو درس نظامیہ کی تکمیل کے بعد انگریزی تعلیم دلوائی چنانچہ ۱۸۶۵ء میں بریلی کالج سے انٹرپاس کیا۔[2]
(۸) سید عبدالفتاح الحسینی گلشن آبادی (م ۱۲۹۵ھ) تکمیل کے بعد مختلف جگہ قضا کے عہدوں پر فائز رہے ۱۸۲۵ء میں الفنسٹن ہائی اسکول بمبئی میں ملازمت اختیار کر لی (حکومت کی طرف سے جسٹس آف دی پیس کا خطاب بھی ملا) مجھے یہ تصریح تو نہ مل سکی کہ انگریزی تعلیم حاصل کی تھی البتہ آپکی تصانیف میں ایک ایسی کتاب بھی شامل ہے جس میں انگریزی حکایتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی یقیناً جانتے تھے۔
(۹) مولانا عنایت رسول چریاکوٹی (م ۱۳۲۰ھ) مشاہیر علماء میں تھے۔ اور عربی، عبرانی اور فارسی کے زبردست ماہر، آپ کے بعض تذکرہ نگاروں کا بیان اگر صحیح مان لیا جائے تو سرسید کو انگریزی تعلیم کی ترویج و اشاعت پر آمادہ کرنے والے پہلے بزرگ آپ ہی تھے۔ خود بھی انگریزی سیکھی اور اطراف اعظم گڑھ میں مسلمانوں کو انگریزی تعلیم پر آمادہ کیا۔[4]
(۱۰) مولوی اشرف علی بن مولانا احمد اللہ عظیم آبادی (م ۱۹۰۸) خاندان صادقپور کے لائق فرزند تھے مولانا عنایت علی صاحب کے ہمراہ افغانستان چلے گئے، یہاں ۱۴ سال گذار کر ہندوستان واپس آئے اور ۱۸۲۰ء میں مفتی صدرالدین سے بقیہ درسیات کی تکمیل کی پھر یہیں سے انگریزی تعلیم حاصل کرنی شروع کی، اور بنارس میں قیام کرکے انگریزی تعلیم

---

[1] محمد ایوب قادری مولانا محمد احسن نانوتوی/۲۵ (کراچی ۱۹۶۶ء) [2] ایضاً/۱۶۱ [3] عیونہ دلوی: بمبئی میں اردو/۳۴-۳۳ [4] ڈاکٹر معتصم عباسی، اسلام اور عصر جدید، ۵/شمارہ ۲۰۳،

مکمل کی[1] اس کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ آپ کو انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ کرنے والے مفتی صدر الدین کے بھانجے تھے انھوں نے ہی مولوی اشرف کو انگریزی تعلیم کی حاصل کرنے کا مشورہ دیا تھا[2]

بنارس میں تعلیم کے لئے قیام کا زمانہ ۱۸۷۰ء کے لگ بھگ ہے کیونکہ ۲۶ دسمبر ۱۸۷۰ء کو سرسید احمد نے ان اسباب کا پتہ لگانے کے لئے کہ "مسلمان انگریزی تعلیم کیوں نہیں حاصل کرتے" جو انعامی مذاکرہ منعقد کیا تھا اس کا پہلا انعام آپ ہی کو ملا تھا[3] حالی نے تصریح کی ہے آپ اس وقت بنارس کالج میں پڑھتے تھے[4]

(۱۱) امجد علی بن یحییٰ علی صادق پوری (م ۱۹۳۱ء) آپ نے بھی مولانا اشرف علی کی طرح سرحد کا سفر کیا اور انھیں کے ساتھ واپس آگئے، اور انھیں اشرف علی صاحب کی زیر نگرانی انگریزی تعلیم حاصل کی پھر زندگی بھر مختلف کالجوں میں تدریس کی خدمت انجام دی[5] اور اسی کو اہم قومی خدمت سمجھتے رہتے تھے[6]

(۱۲) مولانا محمد حسن بن مولانا غازی ولایت علی صادق پوری (م ۱۸۸۹ء) مولانا عبد الرحیم (م ۱۳۴۱ھ) مولانا یحییٰ علی (م ۱۲۸۴ھ) مولانا احمد اللہ (م ۱۲۹۸ھ) کے وہابی سازش کیس میں ماخوذ ہونے کے بعد خاندان صادق پور کی سرپرستی کا سارا بار آپ کے کندھوں پر آپڑا تھا آپ نے خود بھی معمولی انگریزی تعلیم حاصل کی، اور مولوی موسیٰ (۱۳۶۶ھ) مولوی محمود الحسن ڈاکٹر بیت اللہ وغیرہ کو اعلیٰ انگریزی تعلیم دلائی، اور عام مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کو رواج دینے کے لئے ۱۸۸۴ء میں "محمڈن اینگلو عربک" کے نام سے ایک کالج قائم کیا[7]

---

[1] مولانا عبد الرحیم: تذکرہ صادقہ/۱۹۵ (پٹنہ ۱۹۶۴ء) [2] ایضاً/۹۴، [3] حالی: حیات جاوید ۱/۱۵۳، عبد الرحیم: تذکرہ صادقہ/۹۵، [4] حیات جاوید ۱/۱۵۳، [5] تذکرہ صادقہ/۱۳۶-۱۲۱، [6] ایضاً/۱۳۱، [7] ایضاً/۲۱۱، مولانا عبد الرحیم لکھتے ہیں انکو عربی زبان میں مہارت تھی، مگر علوم مغربی سے بھی بہت شوق تھا، جو کتابیں علوم مغربی میں اردو ترجمہ ہو گئی ہیں ان کا مطالعہ کرتے تھے/۲

(۱۳) مولانا جعفر تھانیسری (م ۱۹۰۵ء) اپنے بارے میں لکھتے ہیں، "۱۸۶۲ء تک ایک برس کی محنت میں مجھ کو انگریزی پڑھنے لکھنے میں خوب مہارت ہوگئی .... میں نے انگریزی سیکھ کر بڑے کتب خانوں کی سیر کی .... انگریزی زبان علم وفنون کا گھر ہے جو انگریزی نہیں جانتا وہ بلاشبہ دنیا کے حالات سے بخوبی ماہر نہیں مگر فقط زبان انگریزی کا سیکھنا اتنا مضر نہ ہوگا، صرف کتب بعض علوم کی جو تعلیم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ہیں ایک ایسے شخص کو جو اصول مذہب سے پوری طرح واقف نہیں ضرور ملحد اور بددین کر دیویں گی [1]

(۱۴) مولانا رحمت اللہ فرنگی محلی (م ۱۳۰۵ھ، ۱۸۸۸ء) سرسید کی تکفیر کے فتوی پر مولانا رحمت اللہ صاحب فرنگی محلی کا دستخط بھی ثبت ہے مگر سرسید کی تحریک سے پہلے ہی آپ نے سلمانوں کے لئے انگریزی اور علوم جدیدہ کی تعلیم کا معقول انتظام کیا تھا۔

مولانا عبدالحئی حسنی (م ۱۳۴۱ھ) لکھتے ہیں "رحل الی غازیفور واسس بہا مدرسة بمساعدة اھلہا وادخلہا الانکلیزیة" [2]

آپ نے اس مدرسہ کی بنیاد ۱۸۶۹ء میں رکھی تھی جس کا مقصد "دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق ماحول میں عربی، فارسی اور اردو کی اعلیٰ تعلیم اور زمانہ کی ضرورت کے تحت علم ریاضی، اقلیدس اور علم انگریزی کی تعلیم کا انتظام مڈل کی سطح تک کیا تھا [3]

۱۸۷۴ء میں سرولیم میور نے مدرسہ چشمۂ رحمت غازیپور کا معائنہ کیا تھا معائنہ کے تاثرات میں لکھا کہ "اس مدرسہ میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم عربی فارسی اور انگریزی کی ہوتی ہے" [4]

(۱۵) مولوی محی الدین (م ۱۸۹۳ء). آپ نے علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد ۱۸۳۳ء میں انگریزی حاصل کرنی شروع کی اور تین سال میں تکمیل کی [5]

---

[1] جعفر تھانیسری: کالا پانی، ۴۴ (اقبال اکیڈمی لاہور) [2] عبدالحئی حسنی: نزھة الخواطر، ۱۴۸/۸
[3] چشمۂ رحمت تاریخ کے آئینہ میں، ۱۲/۹۔ [4] ایضاً، ۱۸/ [5] احمد علی خاں شوق: تذکرۂ کاملان رامپور، ۴۰۲ (رامپور)

(۱۴) مولوی محمد علی خاں (م ۱۹۱۲) آپ نے ۱۸۶۱ء میں انگریزی سیکھنی شروع کی اور ۱۸۶۵ء تک اس میں کامل دستگاہ حاصل کر لی ۱؎

یہ چند ایسے علماء کی ایک سرسری فہرست ہے جنھوں نے سرسید سے پہلے انگریزی تعلیم حاصل کی تھی یا اس کے جواز کا فتوی دیا تھا یہ فہرست یقیناً مکمل نہیں ابھی اس میں متعدد علماء کا اضافہ ہو سکتا ہے لیکن نہ استیعاب مقصود ہے اور نہ اس کی گنجائش ہی ہے، ثابت صرف یہ کرنا ہے کہ ان تمام علماء نے سرسید سے پہلے بھی قول و عمل سے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ انگریزی تعلیم ہرگز حرام اور ناجائز نہیں پھر کیسے ممکن ہے کہ بعد میں یہ علماء کرام اس کو حرام یا ناجائز ثابت کرتے؟

سرسید کے زمانے میں

اب ہم چاہتے ہیں کہ یہ دیکھیں سرسید کے ممتاز معاصر علماء کرام کا نظریہ اس باب میں کیا تھا، لیکن اس جائزہ میں ہم صرف ان علماء کرام کو شامل کریں گے جنھوں نے یا تو سرسید کی تکفیر کی ہے یا ان کی مخالفت میں سرگرم حصہ لیا ہے ورنہ اگر ان کے تمام معاصر علماء کرام کی آراء کو جمع کریں، تو ایک مستقل کتاب بن جائے گی۔

(۱) مولانا عبدالحی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴) سرسید کی تکفیر پر آپ کے فتوی کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے مولانا حالی نے اس فتوی کی شدت کا بطور خاص شکوہ کیا ہے ۲؎ لیکن انگریزی تعلیم کے جواز پر آپ کے متعدد فتوے موجود ہیں یہاں صرف ایک فتوی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

"فی الواقع نفس تعلیم زبان انگریزی شرعاً ممنوع نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت کو یہودی زبان سیکھنے کا حکم کیا جیسا کہ جامع ترمذی وغیرہ میں ہے اور ملا علی قاری کی شرح مشکوۃ میں ہے، لا یعرف فی الشرع تحریم علم لغۃ من لغات سریانیۃ کانت اوعبرانیۃ أو ترکیۃ أو غیرھا، ۳؎

فتاوی کی اسی جلد میں دو اور مدلل اور مفصل فتوے ہیں نیز تیسری جلد میں بھی اسی طرح کا

۱؎ احمد علی خان شوق تذکرۂ کاملان رام پور/ ۳۶۳ ۲؎ حالی: حیات جاوید، ۲/ ۲۵۲ ۳؎ عبدالحی لکھنوی؛ مجموعہ فتاوی عبدالحی ۲/ ۳۵۴ (لکھنؤ ۱۳۱۵ھ)

ایک فتویٰ ہے [1] ظاہر ہے کہ اس فتوی کی موجودگی میں مولانا پر یہ حکم لگانا کہ " انگریزی تعلیم کو حرام سمجھتے تھے بے انصافی ہے۔

(۲) مولانا نذیر حسین محدث دہلوی (۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) سرسید کی تکفیر کے فتوی پر آپ کا دستخط بھی ہے [2] سرسید نے ان کے فتوے کی شکایت کی ہے [3]۔ لیکن جہاں تک انگریزی تعلیم کا سوال ہے آپ کی رائے دو ٹوک ہے،

آپ کے سوانح نگار مولانا فضل حسین مظفر پوری لکھتے ہیں، میاں صاحب انگریزی تعلیم کو جائز کہتے تھے [4] آپ کے مجموعہ فتاوی میں اس سے متعلق ایک مستقل فتوی موجود ہے فرماتے ہیں بغرض حصول معاش و رفع حاجت کے انگریزی پڑھنی جائز ہے جامع ترمذی میں زید بن ثابت سے روایت ہے (اس کے بعد پوری روایت نقل کی ہے) [5]

(۳) مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) مولانا کا تذکرہ بھی سرسید کی تکفیر کے سلسلہ میں بار بار کیا جاتا ہے دیوبند مکتبہ فکر کے قائد ہونے کی وجہ سے علی گڑھ اور دیوبند کا تذکرہ جب بھی آتا ہے آپ کا تذکرہ ناگزیر ہو جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ارباب دیوبند انگریزی تعلیم کو حرام بتلاتے تھے مولانا مناظر احسن گیلانی (۱۹۵۶ء) نے بڑے درد و کرب کے ساتھ لکھا ہے کہ "جدید علوم وفنون کے سوال سے جو یہ باور کر لیا گیا ہے یا اب باور کرایا جا رہا ہے کہ ہمارے علماء قطعاً خالی الذہن تھے افترا یا اتہام کے سوا وہ کچھ نہیں ہے [6] اور واقعہ بھی یہی ہے مولانا نانوتوی نے دارالعلوم کے سالانہ جلسہ میں جو کچھ کہا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک حصہ یہاں نقل کر دیا جائے (باقی)

---

[1] مجموعہ فتاوی عبدالحی، ۲/۲۵۵-۲۴۸، ۲/۲۴۶ [2] امداد الآفاق، فتاوی علماء دہلی ۱۵ [3] امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، بحوالہ تہذیب الاخلاق یکم جمادی الثانی ۱۲۹۰ھ، جدید پرنٹنگ پریس

[4] فضل حسین مظفر پوری، الحیات بعد الممات، ص ۲۶، آگرہ، ۱۹۰۸ء [5] فتاوی نذیریہ، ۲/۵۷

[6] مناظر احسن گیلانی سوانح قاسمی، ۳/۲۷۸ (دیوبند ۱۳۷۳ھ)